© rasailojaraid.com

بن کر اس کو نظام اسلامی کا خالص حلقہ بگوش بننے سے روکتی ہو تب تو فرض ہو جاتا ہے کہ اس کو دل سے نکال پھینکا جائے اور خدا پرستی کے لیے زمین کا کوئی اور گوشہ تلاش کیا جائے۔ کیونکہ حقیقت میں تو ایک سچے مسلم کا واقعی وطن ساری کائنات ہے۔ وہ کسی خاص خطۂ ارض سے محبت کرنے کے لیے نہیں پیدا کیا گیا ہے بلکہ ایک مشن کی تکمیل کے لیے اس سطح خاک پر آیا ہے یعنی یہ کہ خدا کی زمین پر صرف خدا کے قانون کی اطاعت (عبادت الہٰی) کی جائے۔ لہٰذا وہ مجبور ہے کہ اپنی محبت اور عداوت کو اور اپنے سارے جذبات کو قانون خداوندی کا تابع بنا کر رکھے۔ اگر اس کی دوستی یا دشمنی اس قانون کی حدود سے متجاوز ہو گی تو وہ اسلام کے ساتھ جاہلیت کی آمیزش کرنے کا مرتکب ہوگا۔

ہندو مسلم سوال کا واحد حل

ایک خیر خواہ وطن کے قلم سے

یہ ایک قابل دید پمفلٹ ہے جس میں ہندوستان کے بین الاقوامی سوال پر مدبرانہ تبصرہ کر کے اس کا صحیح حل پیش کیا گیا ہے۔ اردو، انگریزی دونوں زبانوں میں شائع کیا گیا ہے مفت منگائیے اور اپنے غیر مسلم دوستوں تک پہنچائیے۔

صرف محصول ڈاک کیلیے تین پیسے کے ٹکٹ ارسال فرمائیے اور جو حضرات اردو انگریزی دونوں نسخے منگانا چاہیں وہ پانچ پیسے کے ٹکٹ بھیجیں۔

دفتر رسالہ پیغام حق بازار تاجپورہ لاہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دلائل السنن والآثار

(۴)

از جناب مولوی نجم الدین صاحب اصلاحی

الفاظ ادائے حدیث محدثین نے راویوں اور روایتوں کی صحت و ثقاہت کو جانچنے کے لیے جو اصول مقرر کیے ہیں ان کا حال اوپر گذر چکا - اب یہ بھی ملاحظہ ہو کہ روایت بیان کرنے کے لیے محدثین کس قدر جچے تلے الفاظ استعمال کرتے ہیں، اور ادائے روایت کے لیے مختلف الفاظ کے استعمال میں کیسے باریک اور نازک فروق کا لحاظ رکھتے ہیں - محدثین نے ان الفاظ کے آٹھ مراتب قرار دیے ہیں :

(۱) سمعت و حدثنی (میں نے سنا - اس نے مجھ سے بیان کیا)

(۲) اخبرنی و قرأت علیہ (اس نے مجھے خبر دی - میں نے اس کے سامنے پڑھا)

(۳) قرأ علیہ وانا اسمع (اس نے پڑھا اور میں سن رہا تھا)

(۴) انبأنی (اس نے مجھے اطلاع دی)

(۵) ناولنی (اس نے مجھے دیا)

(۶) شافھنی بالاجازۃ (اس نے مجھے بالمشافہ اجازت دی)

(۷) کتب الی بالاجازۃ (اس نے مجھے اجازت لکھ بھیجی)

(۸) عن (یعنی فلاں شخص سے روایت ہے) اور دوسرے الفاظ جن میں یہ امر مشتبہ رہتا ہے کہ آیا راوی نے اوپر کے راوی سے خود سنا ہے یا نہیں -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ مختلف الفاظ جو ادائے روایت کے لیے استعمال ہوتے ہیں ان میں سے ہر ایک کا علٰحدہ وزن ہے، اور اسی کے لحاظ سے روایت کا وزن مشخص کیا جاتا ہے۔ زیادہ اعتماد ان الفاظ پر کیا جاتا ہے جو بصراحت ظاہر کرتے ہیں کہ راوی نے براہِ راست اوپر کے راوی سے روایت سنی ہے۔ بخلاف اسکے وہ روایات کم درجہ کی ہوتی ہیں جن سے یہ بات ظاہر نہ ہوتی ہو۔

تمام الفاظ ادا سے لفظ سَمِعتُ قائل کی سماعت ظاہر کرنے کے لیے نہایت صریح ہے یہانتک کہ حدثنی سے بھی، کیونکہ اس میں احتمال واسطہ کا نہیں نکل سکتا بخلاف حدثنی وغیرہ کے۔ علاوہ اسکے حدثنی کا اطلاق کبھی ایسی اجازت پر بھی کیا جاتا ہے جس میں تدلیس ہوتی ہے بخلاف سَمِعتُ کے۔ پھر تمام الفاظ ادا میں اس کا رتبہ ارفع ہے جو شیخ کے تلفظ اور راوی کے سماع پر دلالت کرے اس لیے کہ اس میں تحفظ و ضبط زیادہ ہوتا ہے۔ اصطلاحاً اسے املا کہا جاتا ہے۔

اخبرنی بمنزلہ قرأتُ علیہ ہے۔ یہ اس راوی کے لیے ہے جس نے تنہا شیخ کے سامنے پڑھا ہو۔ اور اخبرنا و قرأنا علیہ بمنزلہ قرأ علیہ وانا اسمع ہے۔ یہ ایسے مواقع پر بولا جاتا ہے کہ شیخ کے سامنے ایک نے پڑھا اور باقی نے سنا ہو۔ چونکہ اخبرنی میں اس کا احتمال ہے کہ راوی نے شیخ کے سامنے پڑھا نہیں ہے، اس لیے جس راوی نے شیخ کے سامنے قرأت کی ہو اسکو قرأت علیہ کے ساتھ اپنی قرأت کو تعبیر کرنا بہ نسبت اخبرنی کے افضل ہے، اس لیے کہ قرأت کی صراحت جس قدر اس میں ہے اخبرنی میں نہیں پائی جاتی۔[1]

جمہور کے نزدیک شیخ سے حدیث حاصل کرنے کا یہ بھی ایک طریق ہے کہ شیخ کے سامنے قرأت کی جائے۔ گو بعض اہل عراق نے اس کا انکار کیا ہے مگر چونکہ یہ انکار مستبعد تھا اس لیے امام مالک وغیرہ اہل مدینہ نے اس پر سخت ناراضگی ظاہر کی، یہانتک کہ بعض نے اس قدر مبالغہ کیا کہ سماع پر بھی قرأت کو ترجیح دے دی۔ امام بخاری وغیرہ ایک فریق کا یہ مسلک ہے کہ قرأت و سماع دونوں صحت و قوت میں مساوی ہیں چنانچہ امام بخاری

[1] شرح نخبہ وغیرہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے نے اوائل صحیح میں چند ائمہ حدیث سے اس قول کو نقل بھی کیا ہے، واللہ اعلم۔

أَنْبَأَ لغت واصطلاح متقدمین میں بمنزلۂ اَخبرَ سمجھا جاتا ہے۔ البتہ متاخرین کے عرف میں عن کی طرح اجازت کے لیے بھی آتا ہے۔

بیان رواۃ راویوں کے درمیان بسا اوقات انکے ناموں یا انکے باپ دادا کے ناموں اور کنیتوں میں التباس ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں ایک راوی کو التباسِ نام کی وجہ سے دوسرے راوی کی جگہ نہ سے لیا جائے، یا ایک ہی راوی کو دو الگ الگ شخصیتیں نہ سمجھ لیا جائے۔ اس لیے محدثین نے راویوں کے اسماء اور کنیتوں کی باقاعدہ تحقیق کر کے ان کو مستقل کتابوں میں منضبط کر دیا ہے اور مختلف عنوانات کے تحت ان کی فہرستیں مرتب کی ہیں۔

اگر متعدد راویوں کے نام اور کنیت ونسب ایک ہوں تو ان میں فرق کرنے کے لیے تفصیل کے ساتھ بتایا جاتا ہے کہ اس نام اور کنیت ونسب کے کتنے آدمی ہیں، کس کس طبقہ کے ہیں، اور ہر ایک نے کس کس سے روایتیں لی ہیں۔ اس کو اصطلاح میں علم "متفق ومفترق" کہا جاتا ہے اور اس پر خطیب بغدادی نے ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔

اگر متعدد راویوں کے نام خط میں متفق اور تلفظ میں مختلف ہوں، مثلاً یحییٰ اور بخی، تو ان کی تمیز ایک دوسرے عنوان کے تحت کی جاتی ہے جس کو "علم موتلف ومختلف" کہا جاتا ہے۔ اس فن پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں سب سے زیادہ جامع اور مفید تصنیف شیخ الاسلام کی "تبصیر المنتبہ بتحریر المشتبہ" ہے۔

اگر راویوں کے نام خط اور تلفظ میں متفق ہوں اور انکے آبا کے نام بلحاظ تلفظ مختلف اور بلحاظ خط متفق ہوں، مثلاً محمد بن عَقیل اور محمد بن عُقیل، یا اس کے برعکس راویوں کے ناموں میں تشابہ ہو اور ان کے آبا کے نام متفق ہوں، مثلاً شُریح بن النعمان اور سُریج بن النعمان، تو اسے متشابہ کہا جاتا ہے۔ خطیب بغدادی نے اس پر بھی ایک کتاب لکھی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس باب میں محدثین نے جس طرح ناموں اور کنیتوں اور نسبتوں کے نہایت نازک اور باریک فرق کی چھان بین کی ہے اور جس طرح التباس اور اشتباہ کے ہر چھوٹے سے چھوٹے امکان کا دروازہ بند کرنے کی کوشش کی ہے اسکا اندازہ ان کتابوں کو دیکھنے ہی سے ہو سکتا ہے جو ان فنون پر لکھی گئی ہیں۔ ان کی محنتوں کو دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے کہ روایات کی حفاظت میں ان لوگوں نے کیسی عرق ریزیاں کی ہیں، اور کیسا سچا عشق ان کو اپنے دین کے ساتھ تھا جس نے آثار عہد رسالت کو تحریف سے بچانے کے لیے ان سے یہ مخنتیں کرائیں۔

جرح و تعدیل کسی راوی پر جرح کرنا ایک خطرناک امر ہے۔ اسی لیے صوفیہ کی ایک جماعت اور بعض سادہ لوح لوگوں نے اس کو معیوب ٹھیرایا ہے۔ مگر محدثین نے بلاخوف لومۃ لائم اس کام کو انجام دیا۔

قرآن مجید میں جہاں وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ اور وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا، اور حدیث میں ایاکم والظن فان الظن اکذب وغیرہ نصوص و آثار موجود ہیں، ٹھیک اسی طرح قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ اور اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا وغیرہ آیات اور حدیث الدین النصیحۃ، بئس اخو العشیرۃ، عبد اللہ رجل صالح وغیرہ بھی موجود ہیں۔ اگر ضرورت کے وقت سچا عیب دیانت کے ساتھ نہ کہدیا جائے تو دنیا سے عدل و انصاف اٹھ جائے اور دنیا میں بجائے امن کے ظلم و جور کی گرم بازاری ہو جائے۔ پس جس طرح عیب چینی اور بدگوئی سے پرہیز کرنا ہمارا اخلاقی فرض ہے، اسی طرح دیانت کے ساتھ حقیقی ضرورت کے وقت عیوب کو صاف صاف بیان کرنا بھی فریضۂ دینی ہے۔ بعض لوگوں نے "اعراض الناس حفرۃ من النار وقف علیہا المحدثون والحکام" (یعنی لوگوں کی آبرو جہنم کا گڑھا ہے جس پر حکام اور محدثین کھڑے ہیں) کہہ کر محدثین پر طنز کیا ہے مگر اس طرح کے فقرے چسپت تو اسی وقت ہونگے جب کوئی شخص بلا وجہ و بلا ضرورتِ دینی بغیر شرعی اجازت کے جرح کرے۔ لیکن جب ضرورتِ شرعی داعی ہو تو یہ فعل محمود ہے نہ کہ مذموم۔ جاہلوں اور کم فہموں نے قدمائے اہل حدیث کو عموماً اور یحییٰ بن معین کو خصوصاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس طرح مطعون کیا ہے کہ انہوں نے خلق اللہ کے متعلق بڑی زبان درازیاں کی ہیں، کسی کو دروغ گو اور کسی کو جعل ساز اور کسی کو افترا پرداز کہتے ہیں مگر انہوں نے یہ نہ سمجھا کہ ائمہ حدیث کا رجال پر جرح کرنا محض شریعت غرا اور ملت بیضا کی حفاظت کے لیے تھا، اور گویا یہ از قبیل قتال کفار یا سیاست وتعزیر اہل انکار ہے جو بہترین عبادت ہے۔

ابن خلاد نے امام یحیٰی بن سعید قطان سے پوچھا کیا آپ کو ان لوگوں سے خوف نہیں ہے جنکی حدیثیں آپ نے ترک کر دیں کہ کہیں قیامت کے دن وہ آپ کے فریق نہ ہوں؟ ابن قطان نے فرمایا کہ ان کا مدعی ہونا رسول اللہ صلعم کی مخاصمت سے اچھا ہے۔ اگر میں باوجود اس علم کے کہ یہ شخص بد دیانت کا ذب متساہل ہے اس سے روایت لوں تو خود آنحضرت صلعم کو اپنا فریق بناؤں گا۔[1]

بہر حال یہ مسلم ہے کہ ضرورت اور اضطرار کے وقت جرح جائز ہے مگر جس قدر ضرورت ہو اس سے تل برابر زیادتی بھی جائز نہیں۔ درحقیقت یہ ایک نہایت نازک کام ہے جسمیں کمال درجہ دیانت، راستبازی و تقویٰ اور سخت احتیاط کی ضرورت ہے، اور اس کا ثبوت محدثین نے پیش فرما کر قیامت تک کے لیے راستبازی کی مثال قائم کر دی بلکہ واقعات وحالات کی تحقیق اور روایت وشہادت کی جانچ پڑتال کے لیے صدہا اصول چھوڑ گئے۔

فتح المغیث وغیرہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جرح رجال کی بنیاد اصحاب رسول اللہ صلعم ہی کے زمانہ میں پڑ چکی تھی۔ خوارج وروافض وغیرہ پیدا ہو چکے تھے اس لیے احادیث کے روایت کرنے میں احتیاط شروع ہو گئی تھی۔ خود صحابہ سے بہت سی جرحیں ثابت ہیں۔ لیکن اس وقت تک چونکہ سلسلۂ حدیث میں زیادہ واسطے نہ ہوتے تھے اس لیے جرح کا دائرہ محدود تھا۔ جب واسطے بڑھے اور ہوا پرست فرقے زیادہ پیدا ہونے لگے تو جرح وتعدیل کا باقاعدہ کام شروع ہو گیا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت

[1] فتح المغیث۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ مسلمانوں ہی کی ایک جماعت جو بظاہر نہایت پارسا اور صوفیوں کے رنگ میں تھی نیک نیتی سے فضائل اور ترغیب و ترہیب کی حدیثیں وضع کرتی تھی اور طرفہ یہ کہ اس چیز کو وہ ثواب بھی سمجھتی تھی - عبدالکریم وضاع نے باوجود مسلمان ہونیکے خود تسلیم کیا تھا کہ میں نے چار ہزار حدیثیں وضع کی ہیں - ان کے علاوہ ایک دوسرا گروہ تھا جو اپنے فرقے کے عقائد و اعمال کی سند مہیا کرنے کے لیے، یا اپنی سیاسی یا معاشی اغراض کے لیے حدیثیں وضع کرتا تھا - روایت حدیث کے لیے یہ دو سب سے بڑے خطرے تھے - مزید براں سچے راویوں کی روایت میں بھی خرابی کے متعدد اسباب ہو سکتے تھے، مثلاً تساہل، غلط فہمیاں، بے احتیاطیاں، اتو ہمات قلت حافظہ وغیرہ - پس اگر محدثین راویوں کا واضع ہونا یا متساہل ہونا یا ضعیف الحافظہ، بے احتیاط، غیر عادل، کاذب، واہم ہونا وغیرہ بیان نہ کرتے تو آج رسول اللہ صلعم کے صحیح اقوال اور آپ کی سچی حدیثوں کا نیز صحابہ و تابعین کے صحیح آثار کا پتہ چلنا امر محال تھا - حاملین حدیث نے اس کی علت خود بیان فرمائی ہے -

جوز ذالك صيانة للشريعة فانه لولم يجز لما يتميز الصادق من الكاذب والفاسق من العادل والمغفل من الضابط واختلطت الاحاديث الصحيحة بالسقيمة وقامت الملاحدة والزنادقة من كل جانب للافساد فى الشريعة وقد قال الله تعالىٰ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا -

جرح رواۃ شریعت کی حفاظت کے لیے جائز رکھی گئی ہے کیونکہ اگر جرح و قدح رواۃ جائز نہ ہوتی تو جھوٹا سچے سے، فاسق عادل سے بیدار مغز غافل سے، قوی الحفظ ضعیف الحافظہ سے متشدد متساہل سے الگ نہیں ہو سکتے تھے اور احادیث صحیحہ غیر صحیحہ سے مل کر گڈمڈ ہو جاتیں اور ملحد و زندیق لوگ ہر طرف سے اٹھ کھڑے ہو جاتے، اور دین میں ایک طوفان بے تمیزی برپا ہو جاتا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب کوئی بے دین نافرمان کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو، (سورۃ حجرات)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی خیال سے اکابر تابعین حسن بصری، طاؤس، ایوب سختیانی، عبداللہ بن عون، سلیمان تیمی، امام مالکؒ، یحییٰ بن سعید، شعبہ وغیرہ نے جو ارکین فن حدیث ہیں اور ان کے بعد کے محدثین نے جن کا تقویٰ و دیانت مسلم ہے، رجال کی دیکھ بھال بڑی سختی سے شروع کی اور اسکے لیے بہترین اصول و ضوابط مقرر کیے۔ مثلاً یہ کہ جس شخص سے روایت پہنچے اس کے متعلق تحقیق کر لیا جائے کہ وہ روایت کرنے میں محتاط تھا یا نہ تھا؟ اس کا حافظہ کیسا تھا؟ اس کی سمجھ کیسی تھی؟ بات پوری یاد رکھ کر جوں کی توں بیان کرتا تھا یا اپنے حافظہ کی کمی کو اپنی قوتِ تصنیف سے پورا کر دیتا تھا؟ روایات کو محفوظ رکھنے کے لیے کوئی اہتمام کرتا تھا یا نہیں؟ متقی اور پرہیزگار تھا یا بدچلن؟ اپنے عقائد میں ایسا متعصب تو نہ تھا کہ ان کو درست ثابت کرنے کے لیے حدیث وضع کر دے؟ کس عمر میں اس نے روایات اخذ کرنی شروع کیں اور آیا وہ اس عمر میں تحمل روایت کے قابل ہوا تھا یا نہیں؟ کس عمر تک اسکی حالت درست رہی اور کب اس کے حواس نے جواب دینا شروع کر دیا؟ یہ اور ایسے ہی بیسیوں امور ہیں جنکی پوری چھان بین کرنے کے بعد ایک ایک راوی کے حق میں رائے قائم کی گئی کہ وہ قابلِ اعتماد ہے یا نہیں ہے تو کس قدر ہے، اور نہیں ہے تو کس حد تک۔ بعد کے دور میں علماء حدیث کے ایک گروہ نے رجال ہی کی تحقیق کو اپنا مخصوص فن بنا لیا، اور یہ "اصحاب جرح و تعدیل" مشہور ہیں۔ یہ اس پایہ کے محققین ہیں کہ عام طور پر محدثین ان پر اعتماد کرتے ہیں، مثلاً یحییٰ بن سعید القطان اور ابن مہدی جن کے متعلق لکھا ہے کہ "جس کو یہ مجروح ٹھیرا دیں اس کا زخم مندمل نہیں ہوتا اور جس کو یہ معتبر قرار دیں اس کا اعتبار قائم ہو جاتا ہے"۔[۱]

جرح اور تعدیل دونوں میں نہایت سچے تلے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں اور جو شخص جس درجہ کا معتبر یا غیر معتبر ہوتا ہے اس کی حالت کو اسی درجے کے الفاظ سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ جرح کے تین مراتب رکھے گئے ہیں۔ پہلا مرتبہ شدید قسم کے ناقابلِ اعتبار لوگوں کے لیے ہے، مثلاً اکذب الناس دومانہ بعر

۱؎ فتح المغیث۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا جھوٹا) الیہ المنتہیٰ فی الکذب (جھوٹ میں آخری درجہ پر ہے) ھو رکن الکذب (جھوٹ کا ستون ہے) اور ھو منبع الکذب (جھوٹ کا سرچشمہ ہے) اسی کے قریب قریب دجال، وضاع (حدیثیں گھڑنے والا) اور کذاب کے الفاظ ہیں۔ اس کے بعد اوسط درجہ میں متروک، ساقط، فاحش الغلط، منکر الحدیث وغیرہ الفاظ کا درجہ ہے۔ اور کمتر درجہ کی جرح یہ ہے کہ "اس کا حافظہ کمزور ہے" یا "اسکے حق میں کچھ کلام کی گنجائش ہے" یا "وہ قوی نہیں ہے"۔

اسی طرح تعدیل کے بھی تین مراتب ہیں: اعلیٰ، ادنیٰ، اوسط۔ جس لفظ تعدیل میں مبالغہ ہوتا ہے وہ اعلیٰ پر دلالت کرتا ہے چنانچہ اوثق الناس یا اثبت الناس یا الیہ المنتہیٰ فی التثبت وغیرہ میں زیادہ مبالغہ ہے۔ اور ثقۃٌ ثقۃٌ یا ثبتٌ ثبتٌ وغیرہ (جس میں ایک صفت موکدہو) اور ثقۃٌ حافظٌ یا عدلٌ ضابطٌ، وغیرہ (جس میں دو صفتیں ہوں) میں مبالغہ تو ہے مگر اول سے کم۔ اور شیخ یروی حدیثہ یا یعتبر حدیثہ وغیرہ الفاظ اس سے ادنیٰ درجہ پر دلالت کرتے ہیں۔ علاوہ ان کے اور قول اوسط پر دلالت کرتے ہیں مثلاً شیخ وسطٌ یا صالح یا مقارب الحدیث وغیرہ

فن جرح وتعدیل آج کل نہایت آسان علم سمجھ لیا گیا ہے، چنانچہ جو روایت اپنے خلاف ہوئی اسکے رواۃ پر جرحیں میزان اور لسان المیزان اور تہذیب التہذیب وغیرہ سے نقل کر دی جاتی ہیں گویا بڑا تیر مار دیا۔ حالانکہ ائمہ جرح وتعدیل کی بہت سی اصطلاحیں ہیں جن سے اکثر لوگ ناواقف ہیں بدیں وجہ ضعیف کو ثقہ، اور ثقہ کو ضعیف سمجھ لیتے ہیں۔ اگر کتب رجال سے جرحیں لکھ دینا کافی ہوتا تو پھر کیا تھا، بات صاف تھی، ہر بوالہوس کی حسن پرستی حجت وسند ہوتی اور جو کچھ نظروں کے سامنے آتا وہی حق ماننا پڑتا۔ مگر یہاں تو مجرد نقل کر دینا بھی (بغیر مطالعہ کتب فن) ارباب علم کے نزدیک معتبر نہیں، لہذا پہلے محدثین کی بولی کو سمجھنے کی کوشش کرنی ضروری ہے۔ ایک بات ہو تو اسکا جواب دیا جائے مگر یہاں تو معاملہ برعکس ہے بقول ابن العربی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فلو کان رجحا واحدا لاتقیتہ ولکنہ رجح وثانی وثالث

ائمہ اربعہ کے اصول روایت یہ وہ مقتدر اور برگزیدہ اشخاص و رجال ہیں جنکے ناموں پر تاریخ کو بجا ناز ہے فقہ اسلامی میں فقہائے صحابہ اور فقہائے تابعین کی عظیم الشان یادگاریں موجود ہیں لیکن بایں ہمہ ان میں سے کوئی شخص جمہور کا پیشوا نہیں قرار دیا جاتا اور نہ اسکی سیادت مسلم ہوتی ہے۔ یہ طغرائے امتیاز منجانب اللہ حضرات ائمہ اربعہ کے حصہ میں آتا ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انھیں حضرات کی کوششوں سے سنن و آثار نبوی کی جمع و ترتیب، رجال کی دیکھ بھال، فقیہ و غیر فقیہ کے فرق وغیرہ وغیرہ امور نے اصول و مبادی کی شکل اختیار کی۔

جمہور اہل حدیث و فقہ اور جملہ اہل علم اور اصولی حضرات کا اس امر پر اتفاق ہے کہ عادل و ضابط، عاقل و بالغ جسکی عدالت کی تصریح دو معتبر شخصوں نے کی ہو یا جسکی شہرت اہل نقل اور علماء میں معروف ہو، لوگ جس کے مداح و ثناخواں ہوں، ایسے شخص سے روایت کرنا جائز ہے۔ مگر امام ابو حنیفہؒ نے ایک اور بنیادی چیز دنیا کے سامنے پیش کی جس کی معقولیت بہر نوع مسلم ہے یعنی سند کے ساتھ ساتھ راوی کا فقیہ ہونا۔ فقیہ سے مراد یہ ہے کہ راوی دین کا فہم رکھتا ہو اور جس سے توقع ہو سکتی ہو کہ واقعہ کے بیان میں وہ تمام احتیاطیں ملحوظ رکھے گا جو ایک واقعہ کو اسکی اصلی روشنی میں دیکھنے کے لیے ضروری ہیں۔ خطیب بغدادی امام صاحب کے اس قاعدہ کو یوں نقل کرتے ہیں: "لایحدث الرجل الا بما یعرف و یحفظ"[1] (آدمی کو صرف وہی روایت بیان کرنی چاہیے جس کو وہ سمجھتا ہو اور پوری تفصیلات کے ساتھ محفوظ رکھتا ہو) مزید توضیح کے لیے مولانا عبد العلی بحر العلومؒ کی ایک تحقیق درج ہے:۔

اجتمع الامام ابو حنیفۃ مع الاوزاعی بمکۃ فی دار الحناطین کما حکی ابن عیینۃ۔

حضرت سفیان بن عیینہ سے روایت ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام اوزاعی مکہ میں دار الحناطین میں ملے

[1] فتح المغیث۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقال الاوزاعی ما بالکم لا ترفعون عند
الرکوع والرفع منه فقال لاجل انه لم
یصح عن رسول اللہ صلعم فیہ شیٔ فقال
الاوزاعی کیف لم یصح وقد حدثنی الزھری
عن سالم عن ابیہ ان رسول اللہ صلعم
کان یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوٰۃ وعند
الرکوع وعند الرفع منه فقال ابو حنیفة
حدثنا حماد عن ابراہیم عن علقمة والاسود
عن عبد اللہ بن مسعود ان النبی صلعم
کان لا یرفع یدیہ الا عند افتتاح الصلوٰۃ
ثم لا یعود بشیٔ من ذالک[1] الخ

امام اوزاعی نے امام ابو حنیفہ سے کہا تم لوگ
رکوع میں جانے اور رکوع سے کھڑے ہونے کے
وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے؟ امام ابو حنیفہ
نے کہا اس لیے کہ اس کے متعلق رسول اللہ صلعم
سے کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔ انہوں نے
کہا کیوں نہیں حالانکہ مجھ سے زہری نے زہری
سے سالم نے اور سالم نے اپنے باپ حضرت
عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلعم
جب نماز شروع فرماتے تھے، جب رکوع میں جاتے
اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے تو رفع یدین کرتے
تھے۔ امام ابو حنیفہ نے جواب دیا کہ ہم سے حماد نے
حماد سے ابراصیم نے ابراصیم سے علقمہ اور اسود نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی سند سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلعم صرف نماز شروع فرمانے کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے اس کے بعد رکوع وغیرہ کے وقت ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

امام اوزاعی نے کہا کہ میں زہری، سالم، اور حضرت عبداللہ بن عمر کی سند سے روایت کرتا ہوں اور آپ حماد اور ابراصیم کا نام لیتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے جواب دیا کہ حماد زہری سے زیادہ اور ابراصیم، سالم سے زیادہ فقیہ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر کو اگرچہ صحبت یا فضل صحبت حاصل تھا تاہم علقمہ ان سے کم نہیں۔ اسود کو بھی بہت سی فضیلتیں حاصل ہیں اور حضرت عبداللہ ابن مسعود تو عبداللہ بن مسعود ہی ہیں۔

اسکے بعد مولانا بحر العلوم فرماتے ہیں کہ یہاں امام ابو حنیفہ اور امام اوزاعی کے اصول کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔

[1] رسائل الارکان صفحہ ۵۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک صاحب راویوں کے تفقہ کا اعتبار کرتے ہیں۔ اور دوسرے صاحب کی نظر علوئے اسناد پر ہے۔ امام اعمش بڑے رتبہ کے محدث ہیں۔ فقہاء محدثین کی روش، جمع و ترجیح اور اصولِ روایت کی خوبی کا اقرار ان کو قاضی ابو یوسفؒ سے اس طرح کرنا پڑا کہ آپ لوگ طبیب روایت ہیں اور ہم سب عطار یعنی دوا فروش ہیں۔ انتم الاطباء ونحن الصیادلة[1]۔

حضرت امام مالکؒ کا بھی ایک اصول ہے۔ وہ حدیث کے متفق علیہ امام ہیں، اور ان کی روایت قابلِ اعتماد ہے۔ آپ سے اکابر محدثین نے حدیث کی تعلیم پائی اور بہت سے فقہاء نے آپ کی تقلید کی اس لیے کہ امام دار الہجرۃ کے اندر دو وصف جمع ہو گئے تھے، ایک تو وہ محدث تھے، دوسرے مفتی اور مستنبط بھی تھے۔ امام مالکؒ اپنے فتاویٰ میں اولاً کتاب اللہ پر، پھر رسول اللہ کی ان حدیثوں پر جو ان کے نزدیک صحیح تھیں اعتماد کرتے تھے اور اس معاملہ میں ان کا دار و مدار علمائے حجاز میں سے کبار محدثین پر تھا۔ جس چیز پر اہل مدینہ عامل تھے بالخصوص ائمہ کے عمل کو جن میں مقدم ترین شخص عمران تھے وہ نہایت اہمیت دیتے تھے۔ بلکہ حدیث کو بھی اس لیے رد کر دیتے تھے کہ اہلِ مدینہ نے اس پر عمل نہیں کیا ہے۔ تفصیل کیلیے ابن فرحون وغیرہ کا مطالعہ کیا جائے۔ سخاویؒ نے امام مالکؒ کے طریق روایت پر جگہ جگہ روشنی ڈالی ہے۔ ایک واقعہ پیش نظر ہے اس سے اہلِ علم خود فیصلہ کریں۔ اشہب بن عبد العزیز سے روایت ہے۔ قال سالت مالکا ایؤخذ العلم عمن لا یحفظ (زاد الخطیب وثقة صحیح) قال لا الخ[2] میں نے امام مالکؒ سے پوچھا کہ آیا حدیث کا علم ایسے شخص سے لیا جائے جو اس کو محفوظ نہ رکھتا ہو؟ (بقول خطیبؒ اور وہ معتبر بھی ہو) امام صاحب نے جواب دیا نہیں۔

امام شافعی اور احمد بن حنبلؒ جو سرخیل جمہور محدثین ہیں حدیث کے صحیح السند ہونیکی حالت میں خبر واحد پر بلا شرط عمل کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ کا یہ اصول ہے کہ راوی گو صرف ایک ہی ہو لیکن حدیث اسی وقت قابل اعتماد ہو سکتی ہے جب ایک عادل شخص اپنے ہی جیسے عادل شخص سے روایت کو رسول اللہ صلعم تک پہونچا دے۔ اسکے علاوہ اور شرائط کا یہ بالکل لحاظ نہیں کرتے۔

© rasailojaraid.com

[1] التعلیقات الکوثری مصری ۔ [2] فتح المغیث ۳۴۴